مولانا عزیز زبیدی

دار الافتاء

فتاویٰ

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ،

(۱) ایک شخص ایک سے زیادہ قربانی دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر دے سکتا ہے تو سب ایک ہی دن کرے یا ایک آج، دوسری کل؟

(۳) چار بھائی ہوں تو وہ باری باری اگر کریں تو جائز ہوگا یا نہ؟

(۴) عید کا خطبہ بھی جمعہ کے خطبہ کی طرح پڑھا جاتا ہے یا صرف ایک ہی خطبہ ہوتا ہے؟ اس میں تکبیریں بھی پڑھنی چاہئیں یا نہ؟

(۵) شہر یا گاؤں سے باہر جاکر نمازِ عید پڑھنے کے بجائے اگر مسجد میں یا شہر میں پڑھ لے تو کیا حرج ہے؟ (ملخصاً)

الجواب

① ایک سے زیادہ قربانی | ہاں دے سکتا ہے:

(ا) "نحر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدہ سبعۃ بدن قیاما وضحی بالمدینۃ کبشین املحین اقرنین" (بخاری باب من نحر بیدہ)

(ب) "قال علیؓ: لما نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدنہ فنحر ثلاثین بیدہ وامرنی فنحرت ساترھا" (ابوداؤد)

(ج) "ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بدنۃ بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر" (رواہ مسلم عن جابر بن عبد اللہ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سات بکروں یا چھتروں کے عوض ایک گائے یا دس کے عوض ایک اونٹ کی قربانی دینا افضل ہے یا سات یا دس بکروں یا چھتروں کی قربانی بہتر ہے؟ ہمارے نزدیک دوسرا قول ہے کیونکہ آج کے دن اہراقِ دم (خون بہانا) زیادہ محبوب ہے اس لیے جتنی تعداد زیادہ ہوگی اتنی زیادہ فضیلت ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں قربانیاں اپنے سینگ، کھر اور بالوں سمیت خدا کے حضور لائی جائیں گی ظاہر ہے یہ تعداد ضرور رنگ لائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

"ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لیاتی یوم القیٰمۃ بقرونہا واشعارھا واظلافہا۔ الحدیث" (ترمذی عن عائشہؓ وقال ھذا حدیث حسن غریب باب ما جاء فی فضل الاضحیۃ)

۲۔ ایک آج دوسری کل

یہ ایک رسم بن گئی ہے کہ جن کے پاس ایک سے زیادہ قربانیاں ہوتی ہیں وہ ان کو قربانی کے مقررہ دنوں پر تقسیم کر لیتے ہیں نیتوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ کام و دہن کے چسکے کیلئے کچھ دن اور ہاتھ آ جائیں اور روز تازہ گوشت مل جائے اس صورت میں ایسی قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ جب اس لالچ سے قربانی دی جاتی ہے تو وہ قربانی قربانی نہیں رہتی۔ عام گوشت والی بات بن جاتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمنا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ نمازِ عید سے پہلے جو قربانی دی گئی ہے اس کے بدلے اب ایک اور قربانی دیجیئے! کیونکہ پہلی صرف اہل وعیال کے لیے ہوئی ہے:

"عن البراء قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال ان اول ما نبدأ من یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا ومن نحر (قبل الصلوٰۃ) فانما ھو لحم یقدمہ لاھلہ لیس من النسک فی شیئی" (بخاری باب الذبح بعد الصلوٰۃ)

اگر یہ ذہن نہ بھی ہو تب بھی یہ طریقہ خلافِ سنت ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی دن سب کی قربانی کر دیتے تھے، اگلے دن پر نہیں چھوڑتے تھے۔ دو چھوڑ، خواہ بیسیوں ہوں نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: گو یہ بات مساکین کیلئے تو خوب ہے مگر خلافِ سنت ہے کیونکہ حضورؐ نے ایک ہی دن میں سو قربانی دی تھی:

"قلت ھذا الذی قالہ (ای الرویانی) وان کان ارفق بالمساکین الا انہ خلاف السنۃ فقد نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم واحد مائۃ بدنۃ اھداھا فالسنۃ: التعجیل والمسارعۃ الی الخیرات والمبادرۃ بالصالحات الا ماثبت خلافہ" (روضۃ الطالبین کتاب الضحایا۔ فصل فی مسائل المنثورۃ)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ: یہ ۶۳ وہ تھے جو مدینہ سے لائے گئے تھے اور باقی وہ تھے جو یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پہنچے تھے (نووی شرح مسلم، حدیث جابر بن عبداللہ باب حجۃ النبی صلعم)

امام بخاریؒ نے باب ہی بڑا عجیب تجویز فرمایا ہے جس نے سارے مسئلے حل کر دیئے ہیں۔ باب یہ ہے "باب ما یشتھی من اللحم یوم النحر" یعنی "قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا"۔ یہ باب اس حدیث کے لیے مقرر فرمایا ہے جس میں عید کی نماز سے پہلے قربانی کر دینے کا ذکر ہے۔ کہ قربانی دینے میں اگر گوشت ہی کھانے کا جذبہ غالب ہے تو پھر وہ قربانی بے کار ہے کیونکہ یہاں مقصود بدل جاتا ہے۔ غرض: خدا کے حضور "اہراق

الدم "خون بہانا" ہے اگر اس کے بجائے کھانے کی بے چینیاں مچلنے لگی ہیں تو پھر سامنے پیٹ ہی آگیا خدا کے حضور نذرانہ نہ رہا!

۳۔ چار بھائی باری باری دیں

اس کی کیفیت بھی سوال ۲ "جیسی ہے۔ یعنی بظاہر اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس "باری باری" کے پس پردہ بھی "گوشت" کھانے کا جذبہ ہے کہ چار دن اور سلسلہ جاری رہ سکے اور نانہ بتازہ — اس لیے اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ کہ اس میں قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ہاں انتظامی قسم کا تقاضا درپیش ہو تو پھر اور بات ہے۔

"انما الاعمال بالنیات" حدیث

بہتر ہے کہ حسب حال اپنے وقت پر ان سب کو ہو جانا چاہیئے اس سے ایک تو گوشت غرباء تک زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے گا۔ اور دوسرا "اہراق الدم" (خون بہانے) سے جو اصل مطلوب ہے، وہ حاصل ہو جائے گا اور وہ خون بہا کر راہِ خدا میں نذرانہ عقیدت اور جذباتِ فدویت کا ہدیہ پیش کرنا ہے۔

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (پ، الحج ع ۵)

خدا تک نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک تمہاری طرف سے تمہارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے۔

"تقویٰ" کا لفظ اپنا اندر بڑی گہری تلمیح رکھتا ہے یعنی اس "دن گوشت" کے تصور کی مستی طاری نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ خدا کے حضور اپنی قربانی کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان پر خشیت کی جو کیفیت طاری ہو سکتی ہے خدا کی نگاہ صرف اس پر ہوتی ہے۔ دراصل یہ قربانی اپنے اندر (۱) ایک عظیم تاریخ (۲) عظیم پس منظر اور (۳) ایک عظیم پیش نظر رکھتی ہے — یعنی (۱) یہ خلیل کا خدا کے حضور اپنی "خُلت" کا ثبوت پیش کرنا ہے (۲) اب دل دھڑکتا ہے کہ کہیں قربانی رد نہ ہو جائے۔ نام و نمود یا مادی لالچ کی آمیزش سے وہ ضائع نہ ہو جائے (۳) اور یہ مال، اولاد کی قربانی کا بدل ہے اب یہ صورت ادعائی بن گئی ہے کہ مال و اولاد اور جان تک دینے کی ضرورت پڑی تو اسے خدا دریغ نہیں کیا جائے گا۔

"اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ" کا یہی مفہوم ہے۔

خصوصاً "لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کے دعوے نے تو دوسری ان تمام تحریکات کی نفی کر دی ہے جو کسی بھی درجہ میں "رضاء الٰہی، تہیا، فدویت اور نذرانہ عقیدت" کے جذبات میں مخلوط ہو سکتی ہے — اس لیے اگر قربانی کے جانور کو اس "باری باری" سے آزاد رکھا جائے تو یہ بات "اخلاص اور احسان" کے جذبے

سے قریب تر ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اور یہی مناسب ہے۔ سال بھر گوشت کھاتے رہتے ہیں۔ آج اگر خدا کے حضور گوشت کے تصور کے بجائے پوری خشیت اور جذبہ حنیفیت کے ساتھ اس کی خوشنودی کو ہی ملحوظ رکھنے پر اپنے جذبات کو انگیخت کیا جائے تو کیا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ ادھر سے کچھ اسی قسم کی آوازیں آرہی ہیں۔

"باری باری" کے بجائے اگر اپنی ایک سے زیادہ قربانیوں کو ایک ہی دن میں قربانی کر دے، اسی طرح اگر چند بھائی باہم باری دینے کے بجائے، سب بھائی ایک ہی دن میں قربانی دے دیں تو اس دن زیادہ سے زیادہ غرباء اور مساکین بھی استفادہ کر سکیں گے کیونکہ اس طرح ایک ہی گھر کے لئے گوشت کو سنبھالنا ویسے بھی مشکل ہو جائے گا سنبھالنا ممکن ہو بھی جائے تو بھی اتنے وافر گوشت کی وجہ سے ضرور ہی دل بھر جائے گا اس لیے غریبوں کو بہت کچھ مل جائے گا۔ حضورؐ نے پہلے ذخیرہ کرنے اور بچا کر رکھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ غربا زدہ جاتے تھے، جب ان کو بھی وافر ملنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اب بچا کر رکھ سکتے ہو۔

"عن سلمة بن اکوع رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وفی بیته منه شیئ فلما کان العام المقبل قالوا یا رسول اللہ نفعل کما فعلنا الماضی قال کلوا واطعموا وادخروا فان ذلک العام کان بالناس جهد فاردت ان تعینوا فیها" (رواہ البخاری باب ما یوکل من لحوم الاضاحی) فوق ثلاث لیشبع ذو الطول علی من لاطول له' ترمذی (ص ۱۸۲)

ہمارے نزدیک وہ سب لوگ محتاج ہیں جو اس دن قربانی دینے کی سکت نہیں رکھتے، اگر اس دن بھی وہ گوشت سے محروم رہا یا ان کو کچھ ملے بھی تو "حسرتوں" کو مہمیز کرنے کے لئے تو اس دن قربانی دینے والے خدا کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔ قرآن حکیم نے صاف اعلان کیا ہے کہ:

"فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ" (پ ۱۷۔ الحج ع ۵)

"پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو اس میں سے آپ بھی کھائیں اور سفید پوشوں اور منگتوں کو بھی کھلائیں!

قرآن حکیم میں یہ کہیں نہیں ہے کہ برابر حصے کرو۔ بلکہ یہ ہے کہ ان سے تین لوگ فائدہ اٹھائیں، (۱) قربانی دینے والے (۲) غیر مستطیع، سفید پوش اور (۳) سوالی لوگ ——— یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ گھر کے دو تین افراد محلہ بھر کے سفید پوشوں اور سوالی حضرات کی اتنی بھیڑ کے مقابلے میں برابر کے حصہ دار بن جائیں، کیونکہ یہ قربانیاں اب خدا کی ہیں، قربانی دینے والے کی نہیں ہیں، ان کا تعلق ان سے صرف اتنا ہے کہ انہوں نے قربانی

دی ہے۔ جیسے زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد وہ اب خدا کی بن جاتی ہے ان کا نام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ دی ہے۔ آیت میں صرف اتنا ہے کہ آپ بھی کھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ضرورت مند کی موجودگی میں آپ سارا ہڑپ کر سکتے ہیں یا ان کے مساوی آپ بھی برابر کے تین حصے کر سکتے ہیں حاشا و کلا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کے لیے اس سے استفادہ ممنوع نہیں ہے۔ اگر متعلقہ حلقہ میں ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے پر صرف ایک ہی دن اور ایک ہی ٹائم کے لیے آپ کے لیے سالن بن سکتا ہے تو پھر اتنے ہی پر اکتفا کیا جائے اور اتنا اتنا گوشت جتنے ضرورت مندوں تک آپ پہنچا سکتے ہیں آپ ضرور پہنچائیں اگر اب بھی کچھ لوگ بچ جائیں تو پھر آپ کی ذمہ داری ختم۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ ہمارے نزدیک گوشت سے غربا کی تواضع ایک ضمنی ضرورت ہے اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک فریضہ ہے اور وہ خدا کے حضور قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے۔ ورنہ حج کے دنوں میں جہاں اکثر قربانیاں "دفن کر دی جاتی ہیں" تو وہاں قربانی بالکل نہ کی جاتیں۔ حالانکہ منکرینِ حدیث کے سوا اس کا اور کوئی شخص قائل نہیں، اس لیے بنیادی طور پر یا ضمنی حیثیت سے، بھلا اسی میں ہے کہ "باری باری" دینے سے پرہیز کیا جائے تاکہ نذرانہ بے داغ رہے۔ واللہ اعلم!

۴ عید کے دو خطبے

اس کا بھی وہی مسئلہ ہے جو جمعہ کے خطبے کا ہے۔ درمیان میں قدرے بیٹھ کر پھر دوبارہ خطبہ دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے یہی بات مترشح ہوتی ہے:

«عن سعد بن ابی وقاصؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی العید بغیر اذان ولا اقامۃ وکان یخطب خطبتین قائما یفصل بینہما بجلسۃ» (مسند بزار) وقال النسائی فی کتاب العیدین: الجلوس بین الخطبتین واسکوت فیہ، عن جابر بن سمرۃ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یقعد قعدۃ لا یتکلم فیہا ثم قام فخطب خطبۃ اخری الحدیث (ص ۱۸۸) وقال القراۃ فی الخطبۃ الثانیۃ والذکر فیہا: عن جابر بن سمرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم ویقراء (ص ۱۸۹)

گویا کہ امام نسائیؒ ان روایات سے عیدین کے لیے بھی دو خطبے مستنبط فرماتے ہیں۔

«عن جابرؓ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فخطب قائما ثم قعد قعدۃ ثم قام» (ابن ماجۃ باب ما جاء فی الخطبۃ فی العیدین)

اس کا ایک راوی اسمٰعیل بن مسلم مکی خولانی ہے، جو ضعیف ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ اس کے

حافظہ میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

"قال یحییٰ کان لم یزل مختلطا" (میزان)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"کان فقیہا ضعیف الحدیث من الخامسۃ" (تقریب)

محشی صاحب تعقیب التقریب اس پر لکھتے ہیں:

"ضعیف الحدیث ای فی حفظہ" (تعقیب)

اس کا دوسرا راوی ابو بحر ہے جس کا نام عبد الرحمٰن ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ضعیف من التاسعۃ" (تقریب) لیکن علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا ان کا کہنا ہے کہ ایک فقہی نظریہ کی بنا پر اس پر طعن کیا گیا ہے۔ ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے:

أقول لانہ روی حدیث النبیذ واھل البصرۃ تدینوا بتحریم النبیذ...... فظہر ان من تکلم فیہ انما تکلم لحدیث النبیذ فالصواب انہ لا باس بہ (تعقیب التقریب)

اب اعتراض صرف اسمٰعیل بن مسلم کا رہ جاتا ہے لیکن دوسرے شواہد سے اس کی بھی تلافی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عیدین کے دن دو خطبے مسنون ہیں:

"عن ابن مسعود انہ قال: السنۃ ان یخطب فی العیدین خطبتین فیفصل بینھما بجلوس" (نصب الرایۃ ص۲۲۱ ج۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ منقطع روایت ہے۔ "ضعیف غیر متصل" (نصب الرایۃ ص۲۲۱ ج۲) جیسا کہ عنقریب تفصیل آئے گی، مرسل ضعیف بھی ہو تو بھی تقویت کے لیے کافی ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے خاندان کے ایک فرد حضرت عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں، عیدین کے لیے مسنون دو خطبے ہیں:

"السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس" (مسند الشافعی)

اس میں امام شافعی کے استاذ ابن ابی یحییٰ ہیں جو بہت ہی ضعیف ہیں۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ عید کے دن منبر پر تکبیر کہنا سنت ہے۔ نو تکبیریں کہنے پر خطبہ شروع کرے پھر دوسرا خطبہ سات تکبیروں سے شروع کرے:

"السنۃ التکبیر علی المنبر یوم العید یبدأ خطبۃ الاولی بتسع تکبیرات قبل ان یخطب ویبدأ الاخرۃ بسبع" (مصنف عبد الرزاق باب التکبیر فی الخطبۃ ص۲۹۱ ج۳)

لیکن اس میں بھی وہی ابراہیم بن یحییٰ ہیں اس لیے یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ہاں ابن ابی شیبہ میں جو روایت آئی ہے وہ [illegible] آئی ہے وہ آتی ہے

حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن سفیان عن محمد بن عبدالرحمن القاری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ قال من السنۃ ان یکبر الامام علی المنبر علی العیدین تسعا قبل الخطبۃ وسبعا بعدھا (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۱۹۰/۲ باب فی التکبیر علی المنبر)

قال الشوکانی: ولیس قول التابعی "من السنۃ" ظاھرًا فی سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نیل ص ۳۵۹/۳) ویکن قال الحافظ: ونقل ابن عبد البر فیہ الاتفاق قال واذا قالھا غیر الصحابی فکذلک ما لی فھو مرفوع (نزھۃ النظر ص ۹۰) وقال فی الفتح: واجیب بان قول عروۃ وھو تابعی "السنۃ کذا" وان قلنا انہ مرسل علی الصحیح (فتح الباری باب خطبۃ الامام فی الکسوف ص ۵۶۲/۴)

بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

"السنۃ ان تفتح الخطبۃ بتسع تکبیرات تترٰی والثانیۃ بسبع تکبیرات تترٰی" (بیہقی) ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے اسانید مختلف ہیں۔

قال الحافظ ورواہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اخر عن عبید اللہ (تلخیص الحبیر ص ۱۴۵)

صحابی یا تابعی کا "من السنۃ" کہنا، حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ قال الزیلعی واعلم ان لفظۃ السنۃ یدخل فی المرفوع عندھم قال ابن عبد البر فی التقصی: واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنۃ فالمراد بہ "سنۃ النبی" صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک اذا اطلق غیرہ مالم یضف الی صاحبھا کقولھم "سنۃ العمرین" وما اشبہ ذلک" (نصب الرایۃ ص ۳۱۴/۱)

یہ وہ روایات اور آثار ہیں، جو مجموعی لحاظ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں ہیں کیونکہ ابن ماجہ والی روایت میں اسمٰعیل بن مسلم المکی پر جو جرح کی گئی ہے وہ ان کے حافظہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اصول حدیث میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اگر روایت کی تائید کسی دوسری ضعیف روایت سے بھی ہو جائے تو وہ حسن (لغیرہ) ہو جاتی ہے مثلاً ایک دیانت دار اور صدوق راوی کا حافظہ کمزور ہو تو ایک اور طریقے سے ایک اور روایت آجائے۔

"بل ما کان ضعفہ لضعف حفظ راویہ الصدوق الامین زال بمجیئہ من وجہ آخر وصار حسنا (تقریب النواوی ص ۱۰۳) حدیث الضعیف للفسق لا یرتقی بتعدد الطرق الی الحجیۃ ولغیرہ یرتقی" (التحریر ص ۳۱۸)

خواہ وہ دوسری روایت ضعیف بھی ہو۔

"اذا وجد له طریق اخر فیه ضعف قریب محتمل ارتقی لمجموع ذالک الی درجة الحسن (تدریب ص۱۰۶) وکان دون الحسن لذاتہ (تدریب)

اور حسن لغیرہ حجت ہوتی ہے :

"قال السخاوی فی فتح المغیث، ان الحسن لغیرہ یلحق فیما یحتج بہ لکن فیما تکثر طرقہ (قواعد التحدیث ص۹) ولو وجہا واحدا کما یشیر الیہ تعلیل ابن الصلاح (تدریب)

اگر ضعف تدلیس یا جہالت اور ارسال کی بنا پر تو وہ اگر دوسری سند سے آجائے خواہ وہ ویسی ہی ہو تو بھی ضعف منجبر ہو جاتا ہے۔

"وکذا اذا کان ضعفہا لارسال زال بمجیئہ من وجہ الآخر" (تقریب للنواوی)

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنے نہیں کہ یہ "ضعیف روایت" سے حجت پکڑی گئی ہے. بلکہ یہاں احتجاج مجموعی حیثیت سے ہے. جیسے ایک مرسل، دوسری مرسل سے خواہ ضعیف بھی ہو تائید ہو جائے تو وہ قابل احتجاج ہو جاتی ہے :

"ولا یقتضی ذلک الاحتجاج بالضعیف فان الاحتجاج انما ہو بالہیئة المجموعة کالمرسل، حیث اعتضد بمرسل آخر ولو کان ضعیفا کما قالہ الشافعی والجمہور" (قواعد التحدیث ص۹۰)

کیونکہ اس سے یہ ظن قوی ہو جاتا ہے کہ اب راوی کے حافظہ نے خطا نہیں کی :

"وعرفنا بذلک انہ قد حفظہ ولم یختل فیہ ضبطہ (تدریب الراوی ص۱۰۲) وقال ابن الہمام بخلافہ بسوء الحفظ لانہ لوہم الغلط والتعدد یرجح انہ اجاد فیہ فیرتفع المانع (التحریر فی اصول الفقہ لابن الہمام ص۳۵۳) فلذا رویناما رواہ قد جاء من وجہ آخر عرفنا انہ مما قد حفظہ ولم یختل فیہ ضبطہ لہ وکذلک اذا کان ضعفہ من حیث الارسال زال بنحو ذلک (علوم الحدیث لابن الصلاح ص۱۲)

بہر حال ضعاف کی تائید مرسل سے ہوتی ہے اور مرسل کی ضعیف سے، اس کے علاوہ تعدد طرق اور عموم کی تائید بھی اس کو حاصل ہے۔ امام نسائی کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ دو خطبے حضور کے خطبوں کے معمولات میں سے تھے "کما مر"۔ باقی رہیں خطبے کے دوران یا پہلے یا آخر میں تکبیریں؟ ہمارے نزدیک "اقرب الی الصواب" ان کا پڑھنا ہی ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا، برائے فصل ہے یا استراحت؟ اس میں اختلاف ہے صحیح پہلا قول ہے۔

"واختلف فی حکمتہا فقیل للفصل بین الخطبتین وقیل للراحة..... (والاول) ہو الاظہر

گاؤں یا اس سے باہر عیدین

حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ کے ایک قول سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شہر یا مسجد سے باہر جا کر نماز عید پڑھنا محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے تھا۔ اگر سمائی ہو سکے تو شہر اور مسجد میں پڑھی جائے تو اولیٰ ہے۔

ثم اشار (الی الشافعی) ان سبب ذلک سعة المجد وضیق اطراف مکة قال فی الاعیاد لم ار ان یخرجہ امة فان کان لا یسعھم کرھت الصلوۃ فیہ ولا اعادة ومقتضی ھذا ان العلة تدور علی الضیق والسعة لا لذات الخروج الی الصحراء لان المطلوب حصول عموم الاجتماع فاذا حصل فی المسجد مع افضلیتہ کان اولی (فتح الباری ج۲ ص۵۲)

لیکن اس پس منظر اور فلسفہ کے لیے روایات میں کوئی لفظ نہیں ملتا اور نہ ہی سیاق کلام سے ایسی کوئی بات مترشح ہوتی ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ چار دیواری سے نکل کر جنگلوں، فضاؤں اور صحراؤں کو بھر دینے سے شوکتِ اسلام اور اہلِ اسلام کی نمائش بھی مقصود ہے، اس کے علاوہ عبادت اور ذکر الٰہی سے بے کراں فضاؤں کو معمور کرانے کے لیے ایک مناسب تقریب بھی ہے، تو بہتر ہے۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعد میں خلفائے راشدین نے اس طرزِ عمل پر مداومت کر کے اس کی اس "انتظامی ضرورت" کی نفی کر دی ہے جس کی فتح الباری میں نشاندہی کی گئی ہے۔ حکمت یہ ہے کہ صحراؤں میں جا کر حضورؐ نماز عید پڑھا کرتے تھے آپؐ کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے نزدیک تمام حکمتوں سے بالاتر ہے۔

واستدل بہ علی استحباب الخروج الی الصحراء لصلوۃ العید وان ذلک افضل من صلاتھا فی المسجد لمواظبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجدہ (فتح الباری ص۵۲)

صحیح اور اصلی حکمت یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی تعامل رہا ہے ہم نہیں جانتے کہ یہ بات جگہ کی تنگیٔ داماں کا نتیجہ تھی، یا فرض وواجب؟ ہم تو وہی بات کہیں گے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سائل کے اس جواب میں کہی تھی کہ: "کیا قربانی فرض ہے؟" تو آپؓ نے جواب دیا کہ "حضورؐ نے قربانی دی اور سب مسلمانوں نے بھی۔" اس نے پھر بتکرار یہ سوال کیا تو آپؓ نے پھر یہی جواب دیا۔

"اواجبة ھی؟ فقال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون"

فاعاد علیہ فقال أتعقل ضحی رسول اللہ والمسلمون (رواہ ...